بسم اللہ الرحمن الرحیم

خالد حسن قادری

الفتوحات الإلهیه فی نفع ارواح الذوات الإنسانیه

(اردو ترجمہ)

حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو عالموں (تمام مخلوقات) کا رب ہے۔ اور عاقبت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ اور گرفت نہیں ہے سوائے ظالموں کے لیے۔ اور صلوٰہ و سلام سید المرسلین پر اور ان کی اولاد پر۔ اور جملہ اصحاب پر۔

(اس کے بعد عرض یہ ہے کہ) یہ مختصر رسالہ تصوف کے متعلق ہے۔ اور اس کا نام[1] ہے:

الفتوحات الالهیه فی نفع ارواح الذوات الانسانیه

یہ دس فصلوں پر مشتمل ہے:۔

پہلی فصل تصوف کی تعریف اور اس کے موضوع کے متعلق ہے۔

دوسری فصل اسکے ارکان کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی جانب طرق (راہوں) کے بیان میں ہے۔

تیسری فصل توحید، ایمان اور اسلام کے بارے میں ہے۔

چوتھی فصل علم لدنی اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین سے متعلق ہے اور ان کی اصل و بنیاد کے متعلق ہے۔

پانچویں فصل میں الہام، وحی اور فراست کا بیان کیا گیا ہے۔

(۱) "جس کا میں نے نام رکھا ہے" (سمیتہ) یہاں لفظ "میں" سے احتراز کرتے ہوئے لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا۔

چھٹی فصل میں حضوری، کشف، مکاشفہ، مشاہدہ اور معائینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ساتویں شریعت، حقیقت، طریقت کے بیان میں ہے۔

آٹھویں فصل سعادت اور شقاوت

نویں فصل خطرات کے متعلق اور

دسویں فصل عہد لینے، خرقہ پہننے اور ذکر کی تلقین کے بارے میں ہے۔

پہلی فصل: تصوف کی تعریف اور اس کے موضوع سے متعلق

علم کے معنی میں تصوف ایک علم ہے ان اصولوں کا جن کے ذریعہ تمام حواسوں اور قلب کی بہتری معلوم کی جاتی ہے۔ اور عمل کے معنوں میں تصوف جو کچھ پہلے بیان کیا گیا ہے (یعنی حواس و قلب) کی اصلاح کا نام ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ (تصوف) ہے اختیار کا ترک کر دینا اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے اپنے حواسوں کی نگہداشت اور اپنے انفاس پر نظر رکھنا۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ہے ملک الملوک (اللہ تعالیٰ) کی طرف راستہ چلنے میں کوشش کرنا۔ اور اس کے علاوہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعضوں نے یوں بھی کہا ہے کہ تصوف ابتداء میں علم ہے، وسط میں عمل اور آخر میں موہبت الٰہی (اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم و لطف و عنایات) ہے۔ تصوف کا موضوع تمام حواسوں اور قلب کی اصلاح ہے۔

دوسری فصل: ارکان تصوف اور سلوک الی اللہ

تصوف کے ارکان، بعض بزرگوں کے نزدیک دس ہیں۔ اس میں پہلا رکن تجرید التوحید یعنی توحید کو خالص کر لینا، اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید میں نہ تو تشبیہ (یعنی مشابہت خلق) کی آمیزش ہو اور نہ تعطیل (انکار صفات باری) کی گنجائش۔ دوسرا رکن ہے فہم سماع۔ اور وہ اس طرح ہے کہ اس کو بس حال کے ساتھ سنے، علم کے ساتھ نہ سنے۔ تیسرا رکن ہے حسن العشرہ یعنی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک۔ چوتھا ہے ایثار الایثار اور وہ اس طرح ہے کہ اپنے

غیر کو اپنے نفس پر ایثار کی صورت میں بر تر قرار دے۔ (یعنی دوسرے کی ضرورت کو اپنے اوپر ترجیح دے)[1] پانچواں رکن ہے۔ ترک الاختیار۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیار پر راضی ہونا۔ (اور اپنے اختیار سے دست بردار ہو جانا)۔ چھٹا رکن ہے سرعتہ الوجد۔ اور وہ یہ ہے کہ جو چیز وجد میں لاتی ہے' اس سے اس کا دل (سر) خالی نہو۔ اور اس کا دل (سیر) لبریز نہو ان چیزوں سے جو حق کی زجر و توبیخ اور تنبیہ و ملامت کو سننے سے روکتی ہوں اور رہا وجد تو وہ ایک شعلہ ہے جو بھڑکتا ہے کسی اضطراب انگیز کے ادراک و شہود سے۔ اور ساتواں ہے کشف خواطر۔ اور وہ اس طرح ہے کہ ہر اس خطرے (خیال) کی تحقیق و جستجو کرے جو دل میں پیدا ہو اور پھر جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہو' اس کی پیروی کرے اور جو حق کے لیے نہو اسے چھوڑ دے۔

آٹھواں رکن ہے کثرت سفر تا کہ کائنات کے مطالعے سے عبرتیں اور نصیحتیں حاصل ہوں اور ریاضت نفوس (تربیت و تزکیۂ نفس)۔ نواں رکن ترک اکتساب ہے یعنی کسب کو چھوڑ دینا (مال و منال کی فکر میں نہ رہنا) کہ اسی کا نام توکل ہے۔ جس کا بیان آگے آتا ہے۔ دسواں رکن ہے مال کے جمع کرنے کو حرام سمجھنا سوائے اس قدر جو از روئے علم اور ظاہر شرع نے ضروری قرار دیا ہو۔

اور قرب الٰہی کے (اللہ کی طرف جانے والے) راستے تو مخلوقات کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں۔ ان میں سے جو سب سے قریب اور سب سے واضح ہے ہم نے اس کے بیان کا قصد کیا ہے۔ اگرچہ یہ طریقے بہت ہیں پھر بھی تین نوع میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

ان میں پہلا طریقہ ارباب معاملات کا طریقہ ہے' جس میں کثرت صوم و صلوٰۃ اور تلاوت قرآن وغیرہ ظاہری اعمال کی کثرت ہے۔ یہ لوگ ''اخیار'' کہلاتے ہیں۔ دوسرا طریقہ' یہ ہے ارباب مجاہدات کا طریقہ' ان کے ہاں اخلاق کی تحسین' نفس کا تزکیہ' قلب کا تصفیہ اور جن امور کا باطن کی درستی و تعمیر سے تعلق ہو' ان کے لیے کوشش کرنا۔ یہ حضرات ہیں: ابرار۔ تیسرا

(۱) سورۂ الحشر: ۹

طریقہ ہے۔ طریق السائرین الی اللہ (یعنی اللہ کی طرف ہمیشہ سیر و سلوک میں مشغول رہنے والوں کا۔) اور یہ لوگ اہل محبت میں سے شطار ہیں (یعنی اہل محبت میں سے ذوق و شوق میں سبقت لے جانے والے) اور یہ طریقہ مبنی ہے موت بالارادہ پر۔ اور یہ اس حدیث شریف کی بنیاد پر ہے جس میں آیا ہے کہ موتوا قبل ان تموتوا[1] (مرنے سے پہلے ہی مرجاؤ) اور یہ طریقہ منحصر دس اصولوں پر ہے۔ اس میں سے پہلا ہے توبہ یعنی ندامت۔ اس کی تکمیل (نفسانیت کو) جڑ سے اکھاڑ دینے پر ہوتی ہے۔ اس پختہ ارادے کے ساتھ کہ اس کا اعادہ نہ ہو گا اور اس کے تدارک کے لیے ہر ممکنہ تدبیر کی جائے۔ دوسرا اصول ہے "زہد فی الدنیا" یعنی دنیا میں زہد اختیار کرنا۔ ترک دنیا یعنی اسباب دنیا، مال و جاہ دنیا، شہوات دنیا، سب سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ اور یہ اخذ کیا گیا ہے اس حدیث شریف سے کہ الدنیا حرام علی اھل الآخرہ. والآخرہ حرام علی اھل الدنیا وھما حرامان علی اھل اللہ[2] (دنیا حرام ہے اہل آخرت پر۔ آخرت حرام ہے اہل دنیا پر، اور یہ دونوں حرام ہیں اہل اللہ پر)۔ تیسرا اصول ہے توکل علی اللہ۔ اکثر صوفیہ نے کہا ہے کہ توکل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب دنیوی سے قطع نظر کر لینا۔ اور بعض صوفیا کا قول بھی اسی کے قریب ہے جنہوں نے کہا کہ جو شے قدرت بشری سے باہر ہو اس کے حصول کی کوشش کو ترک کر دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[3] (جس نے اللہ پر توکل کیا، بس اللہ اس کے لیے کافی ہے)۔

---

(۱) ملا علی القاری نے اسے صوفیانہ کلام قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن خلدون: شفاء السائل (انقرہ، ۱۹۵۷ء)، ص ۴۱، ۴۲، تحقیق محمد بن تاویت الطنجی، فاضل محقق نے تفصیل سے اس حدیث پر نوٹ لکھا ہے۔

(۲) ہمیں اس "روایت" کا ماخذ نہیں ملا، البتہ اس "روایت" کا تصور قرآن مجید کی ان واضح آیات سے متعارض ہے۔ جن میں خدا کی نعمتوں کو حلال قرار دیا گیا ہے مثلاً البقرہ: ۵۷، ۱۷۲، المائدہ: ۸۷، الاعراف: ۳۲۔ عیش و عشرت میں غرق اہل غفلت کو بیدار کرنے کے لیے واعظین ایسی روایات کا سہارا لیتے ہیں۔

(۳) سورہ الطلاق: ۳

بعض محققین نے اور ان کے علاوہ بھی دوسروں نے کہا ہے کہ توکل علی اللہ کے معنی ہیں کہ اسباب مہیا ہونے کے باوجود ان سے قطع نظر کرنا۔ اس لئے جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا ارسل ناقتی و اتوکل او اعقلها و اتوکل' (میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور توکل کروں یا باندھ دوں اور توکل کروں۔ (تو اس شخص سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اعقلها و توکل (اسے باندھ دے اور توکل کر)۔ یہ روایت بیہقی وغیرہ میں ہے۔

چوتھا اصول ہے قناعت اور وہ ہے شہوات نفسانی سے نکل جانا (اور تمتعات حیوانیہ سے بھی خارج ہو جانا' سوائے اس کے کہ انسانی حاجات کے تحت اس کی ضرورت ہو) جیسے غذا' لباس اور مکان کی سی چیزیں۔

پانچواں اصول عزلت ہے (گوشہ نشینی) اور وہ یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ خلا ملا کو قطعاً ترک کر دینا سوائے اپنے شیخ اور مربی کی خدمت کے۔ کیوں کہ شیخ و مربی کی مثال غسال کی سی ہے جو میت کو غسل دیتے ہیں۔ پس چاہیے کہ سالک اس کے سامنے اسی طرح رہے جیسے میت غسال کے ہاتھوں میں۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔ پس مرید کے لیے شیخ کامل ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف اس کی رہنمائی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون [1] (تو پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے)۔ اور جس نے اپنی رائے پر زور دیا اور اڑ گیا۔ اور اپنے علم کے زعم میں سمجھا کہ مرشد کی تربیت سے بے نیاز ہو سکتا ہے تو وہ گویا شیطان کے ورغلانے میں آگیا۔ اور ایسے ہی شخص کے لیے کہا گیا ہے: من لا شیخ له' فالشیطان شیخه۔ (جس کا کوئی شیخ نہیں' اس کا شیخ شیطان ہے)۔ اور عزلت (گوشہ نشینی) کی اصل و غرض یہ ہے کہ خلوت میں رہ کر حواسوں کو اس طرح مجتمع کیا جائے کہ وہ محسوسات میں تصرف نہ کر سکیں۔

(۱) سورہ النحل: ۴۳

اور چھٹا اصول ہے ملازمتہ الذکر یعنی مداومت ذکر۔ غیر اللہ کو بھلا کر ماسوا کے دائرے سے اس طرح نکل جائے کہ ہمیشہ اللہ کے مراقبہ میں ڈوبا رہے۔ جب مراقبہ دائمی حاصل ہو جائے تو پھر مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔ اور اس حالت میں ذکر کی حاجت نہیں رہتی۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ "بلکہ مشاہدہ کے ساتھ ذکر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ صورت نسیان کامل کی مقتضی ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واذکر ربک اذا نسیت[1] "اگر تم (اس وقت رب کا نام لینا) بھول جاؤ' تو (یاد آنے پر) اپنے رب کو یاد کرو"۔ بہت سے لوگوں نے ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے کہا کہ "اذا نسیت" کے معنی ہیں نسیت غیر الله (یاد کرو اپنے پروردگار کو' بھول کر غیر اللہ کو) یہ تعلق بالمشیہ ہے (یعنی اگر ایسا کرو گے تو مشیت الٰہی ایسا کرے گی)۔ بہرحال ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پہلی بات الذکر مع المشاھدہ کو پیش نظر رکھ کر کہی گئی ہے۔ اور دوسری بات الذکر بدون المشاھدہ کے پیش نظر کہی ہے۔

ذکر کے تین اصناف ہیں:

۱۔ ذکر لب: وہ ذکر قلبی ہے کہ اس کے امتزاج اور اس کی محبت کے سبب دل اسے بھولتا نہیں۔

۲۔ ذکر نعوت المذکور: اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کا ذکر۔ اس طرح ہے کہ نفس ذاکر پر ان کا مشاہدہ یوں مستولی ہو جائے کہ وہ اپنی شدت شہود کی وجہ سے پوشیدہ ہو جائیں۔

۳۔ اور تیسری صنف ہے ذکر شهود المذکور۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے شہود کا ذکر اور وہ ذکر اس طرح پر ہے کہ اس ذکر کی شدت میں خود ذاکر بھی گم ہو جائے۔ اصل ذکر ہے لا الہ الا اللہ اور یہ مرکب ہے نفی اور اثبات دونوں سے۔

نفی کے ذریعے وہ فاسد مادے زائل ہوتے ہیں جن سے نفسانی اخلاق ذمیمہ اور شہوانی

(۱) سورہ الکہف: ۲۴

اوصاف کی قلبی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اثبات کے ذریعہ اللہ کے نور سے صحت قلبی کے مادے حاصل ہوتے ہیں اور شواہد حق سے جلائے روح اور اسطرح کی دوسری باتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اشرقت الارض بنور ربھا[1] (چمک اٹھی زمین اپنے پروردگار کے نور سے)۔ اور فرمایا فاذکرنی اذکرکم[2] (سو تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کیا کروں گا)۔

ساتواں اصول ہے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا۔ اور ہر اس کھینچنے والی چیز کے حلقہ اثر سے نکل جانا جو غیر حق کی طرف بلائے یہاں تک کہ اس کے لیے کوئی مطلوب اور کوئی محبوب اور کوئی مقصود سوائے اللہ تعالیٰ کے باقی نہ رہے۔

حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر طالب صادق اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ہزار برس بھی رہے مگر لحظہ بھر کے لیے اس سے غفلت اور اعراض ہو گیا ہو تو بس سمجھ لو کہ جو نقصان ہو گا وہ اس سے کہیں زیادہ ہو گا' جو اس نے پایا تھا۔

اور نواں اصول ہے صبر یعنی ہوائے نفسانی کے اسباب کے مقابلے میں اسباب دینی پر ثابت قدمی کے ساتھ قائم ہو جانا۔ اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ فی الطاعۃ (طاعت میں مجاہدات سے کام لینا) اور نفس کی صفائی اور روح کی جلا کی خاطر نفسانی لذتوں کے دائرے سے باہر نکل جانے کا نام صبر ہے۔ لیکن صبر کی یہ تعریف اس کے بعض لوازم کے باعث ہے۔ پس صبر توکل کا ایک طریقہ ہے۔ جس نے صبر اختیار کیا اور اس کو ترک کرنے کا بھی خیال تک نہ کیا وہ بلاء و آزمائش کو پسند کرنے لگتا ہے۔ اور اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو کسی بلا میں مبتلا کرتا ہے تو وہ ان کو عذاب میں نہیں ڈالتا بلکہ ان کی وجہ سے بلا خود عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ پس بلا عوام کے لیے عذاب ہے اور خواص خود بلا کے لیے عذاب ہیں۔ اور یہ تخیلات شاعرانہ کی قسم سے ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے:

(۱) سورہ الزمر: ۶۹ (۲) سورہ البقرہ: ۱۵۲

زمانے کی سختیوں نے مجھے جام پر جام پلائے
تو میں نے بھی اپنے صبر کے کڑوے جام پیہم پیئے

یہ بات غالب احوال کی بنا پر کہی گئی ہے کیوں کہ عوام بلا پر صبر نہیں کرتے اور (بغیر صبر کے کوئی چارہ کار بھی نہیں) ورنہ جیسا حضرت سہل التستری نے کہا ہے صبر تو مقدس چیز ہے جس سے اشیاء کو تقدیس ملتی ہے یعنی پاکی اور صفائی حاصل ہوتی ہے۔ صبر عوام کو گناہوں سے اور خواص کو غیر اللہ کی طرف مشغولیت کی آلودگی سے پاک کرتا ہے۔ پس بلا عامیوں کے لیے یوں عذاب ہو جاتی ہے کہ وہ اس پر صبر نہیں کر سکتے۔

اور نواں اصول مراقبہ ہے۔ اور اس سے مراد ہے اپنی قوت اور قدرت کے احاطے سے اس طرح خارج ہو جانا کہ نظریں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عنایات پر جمی رہیں اور اس کے الطاف و کرم کی خوشبوؤں کی طرف' ماسوا اللہ سے منہ موڑ کر اور اس کی طلب و آرزو کے سمندر میں غرق ہو کر مائل رہے۔

دسواں اصول ہے رضا۔ اور اس کے معنی ہیں اپنے نفس کی رضا سے خارج ہو جانا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں داخل ہو جانا۔ احکام ازلیہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔ اور بلا اعراض و اعتراض اپنے آپ کو تدبیرات ابدیہ کے سپرد کر دینا۔ بس جو کوئی بھی اس روشن اصول پر ارادے اور استقلال کے ساتھ مداومت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اپنے انوار و تجلیات سے فیضیاب کرے گا۔ اور باطنی فتوحات و دینی علوم سے نوازے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ او من کان میتا فاحییناہ[1] (اور جو مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کر دیا) اس کا مطلب ہے کہ جو شخص شجرۂ انسانیہ میں اوصاف ظلمانیہ کی وجہ سے گویا مردہ ہو چکا تھا' ہم نے اس کو اوصاف ربانیہ کے ذریعہ زندہ کر دیا۔ اور اس کے واسطے اپنے انوار جمال سے نور پیدا کر دیا اور وہ اس نور کے ساتھ تمام انسانوں کے باطن میں گھوم پھر لیتا ہے اور اس طرح کہ ان کے

(۱) سورہ الانعام: ۱۲۳

باطن میں نظر جما کر دیکھ لیتا ہے اور ان کے احوال کا مشاہدہ کر لیتا ہے' ان کی مثال گویا یہ ہے کہ وہ تاریکیوں کے اندر رہیں' اس سے باہر نہیں نکلے یعنی ان لوگوں کی طرح ہیں جو شجرۂ انسانیت کی تاریکیوں میں باقی رہ گئے' ان سے باہر نہیں نکلے۔ رضا کے لئے تواضع لازم ہے اور تواضع کے معنی ہیں علام الغیوب کے سامنے قلوب کو مکمل طور پر مطیع و منقاد کر دینا۔ اور اسی طرح کا ایک لفظ خشوع ہے مگر خشوع تواضع سے زیادہ عام ہے۔ خشوع کا لفظ استعمال نہیں کیا جا سکتا' سوائے اس تعلق کے جو رب اور بندے کے مابین ہوتا ہے۔ اور تواضع صرف بندوں کے مابین ربط و تعلق میں استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ نہیں کہتے کہ بندہ فلاں بندے کے سامنے خشوع سے پیش آیا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے تواضع کی۔

تیسری فصل: توحید' اسلام اور ایمان کے بارے میں

توحید: اور وہ یہ ہے کہ حق کی تفرید' تم اس طرح کر لو کہ وہ تمام ماسوا سے الگ واحد و یکتا ٹھہرے' اس طور پر کہ وہ حق اپنے سوا ہر چیز سے' یہاں تک کہ خود تمہاری ذات (نفس) سے بھی تم کو الگ کر دے۔

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایمان حقیقی اور ایمان کامل۔ ایمان حقیقی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ رسول علیہ السلام کے لانے کا علم حاصل ہوا ہو اس کی دل سے تصدیق کرنا۔ ضروری طور پر اس شرط کے ساتھ کہ جو شخص شہادتین (یعنی اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ) کو زبان سے ادا کرنے پر قادر ہو' وہ زبان سے بھی ادا کرے۔

اور ایمان کامل یہ ہے کہ باقی جو کچھ شرع میں وارد ہوا ہے؛ نماز' روزہ میں سے ان پر عمل کرنا۔

اور اسلام کی بھی دو قسمیں ہیں: اسلام حقیقی اور اسلام کامل۔ پس اسلام حقیقی یہ ہے کہ شہادتین پر قدرت رکھنے والا شخص اقرار لسانی کے ساتھ تصدیق قلبی سے بھی اعلان کرے۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اور ایمان کامل یہ ہے کہ اس کے ساتھ شرعی احکام میں سے جو روزہ' نماز وغیرہ ہیں' ان کی بجا آوری کرنا۔

چوتھی فصل: علم لدنی اور علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں

پس علم لدنی وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اس وقت سکھایا جب ان کو مخاطب کر کے کہا "الست بربکم"[1] اور وہ ہے ذات الٰہی اور صفات الٰہی کی معرفت مشاہدۂ انوار کے ذریعہ اور بصائر قلوب کے ذوق سے اور دلائل عقلی اور شواہد نقلی سے نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم لدنی معرفت الٰہی و ذات حق تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ اس لیے کہ معرفت ذات الٰہی اتنی ہی حاصل ہوتی ہے' جتنی تعرف کی صورت میں اس نے عطا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے بندوں کو اسی قدر ہوتی ہے جس قدر اس نے ان کو علم لدنی سے نوازا ہے۔ اور جس نے اس کی واقفیت حاصل کی' اس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اور جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا' اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور جس نے اپنے رب کو پہچان لیا' وہ اپنے نفس کو بھول گیا۔ پس پہچاننے' تعرف کا تعلق معرفت نفس سے اور معرفت نفس متعلق ہے معرفت رب سے اور معرفت رب متعلق ہے' فراموشی نفس سے۔ اور حدیث شریف میں ہے: اعرفکم بنفسه اعرفکم ربه[2] (تم میں سے جو اپنے نفس کو زیادہ پہچاننے والا ہے' اپنے رب کو بھی زیادہ

---

(۱) سورہ الاعراف: ۱۷۲

(۲) صوفیائے کرام اس قدیم قول کو حدیث شریف کے نام پر بار بار نقل کرتے ہیں' سقراط نے کہا تھا کہ "تم اپنے آپ کو پہچانو" (Know thy self)' اس جملے کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ اپنی پہچان خدا کے علم ہی سے ہو سکتی ہے۔ "Know thy self by knowing God."۔ چنانچہ کہا گیا کہ: جو خدا کو جانتا ہے' وہ اپنے آپ کو جانتا ہے (He who knows God, knows himself)۔ اب یہ قول "من عرف ربه' عرف نفسه" عربی قول "من عرف نفسه' عرف ربه" سے مختلف ہو گیا ہے۔ یہ نیا

پہچاننے والا ہے)۔

اور علم الیقین کیا ہے۔ اور وہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نہیں بلکہ ذوق و وجد کی گواہی سے حجابات بشری کے اٹھ جانے پر قلب مومن میں نور حقیقت کا ظہور ہے۔ اور یہ حاصل ہوتا ہے قطعیت اور واقعہ کی مطابقت سے اور مجازاً یقین کا اطلاق اس کے نیچے پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر وثوق و اعتماد اور اطمینان قلب کا نام ہے۔ پس بندہ فوائد دنیوی کے حصول میں سعی و کوشش سے تھک کر استراحت میں چلا جاتا ہے۔ اور یوں حقیقتاً وہ اس عالم میں ہوتا ہے جو علوم و معارف کی قبیل سے ہے۔ اور مجازاً اس عالم میں ہوتا ہے جو احوال و مقامات کی قبیل سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (اس استراحت میں) علوم و معارف دنیوی اور احوال و مقامات روحانی دونوں کیفیتیں مشترک رہتی ہیں۔

اور علم الیقین وہ ہے جو نظر و استدلال یعنی دانش سے حاصل ہوتا ہے۔

اور عین الیقین وہ ہے جو مشاہدہ اور عیان یعنی بینش سے حاصل ہوتا ہے۔

اور حق الیقین وہ ہے جو عیاں یعنی بینش اور وصول الی اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

پس اس میں سے پہلے کی مثال یہ ہے جیسے کسی نے جنت کے وجود کو دلیل سے حاصل کیا۔ اور دوسرے کی مثال یہ ہے کہ جنت کو اپنی نظروں کے سامنے پایا۔ اور اسے دیکھا۔ اور تیسرا یہ ہے جیسے کسی نے اسے دیکھ بھی لیا اور داخل بھی ہو گیا اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ علم الیقین حال فراق ہے۔ اور عین الیقین حال جمع اور حق الیقین جمع الجمع ہے۔

الشیخ ابو القاسم القشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فراق ہے اللہ کے غیر کا شہود اور

..... قول "من عرفہ ربہ' عرف نفسہ" قرآن مجید کی آیت کریمہ سے قریب ہے جس میں خدا نے فرمایا ہے: "تم ان جیسے نہ ہو جانا' جنہوں نے خدا کو بھلا دیا' تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے"۔ (سورۂ الحشر' آیت ۱۹) تفصیل کے لیے دیکھیے:

A.Altmann: Studies in Religious Philosophy and Mysticism.

(London 1969), P.5,30

جمع ہے اللہ کے غیر کو اللہ کے ساتھ دیکھنا اور جمع الجمع ہے غلبہ حقیقت کے باعث غیر اللہ سے شعور کا کلیتہً فنا ہو جانا۔ اور ہم نے رسالہ قشیریہ کی شرح میں اس بات کو پھیلا کر بیان کیا ہے۔

مذکورہ بالا چاروں اگر متفاوت ہیں لیکن چاروں کی اصل ایمان ہے' جس کا بیان گزر چکا ہے۔

پانچویں فصل: الہام' وحی اور فراست کے بارے میں

الہام از روے لغت کسی شے کا دل میں گزرنا اور واقع ہونا ہے جس طرح کہتے ہیں الهمه الله الصبر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں صبر ڈال دیا۔ اور از روئے اصطلاح عام اس کے معنی ہیں' کسی شے کا قلب میں اس طرح واقع ہونا کہ اس کا سینہ اطمینان اور سکون سے بھر جائے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ اپنے بعض اصفیاء کو عطا فرماتا ہے اور صوفیہ اسی کو خاطر حقانی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وحی لغۃً چند معانی کے لیے بولی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک ہے ''پوشیدہ اطلاع'' اور ایک ہے ''کتابت و تحریر''۔ اور عرف (عام) میں (وحی کا معنی یہ ہے) اللہ کا اپنے نبی کو کسی واسطے (حضرت جبریل) یا بغیر کسی واسطے سے شریعت کی خبر دینا۔ کبھی اس لفظ (وحی) کا اطلاق اس کے اسم مفعول یعنی الموحی (وحی کیا ہوا) پر کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ کلام اللہ جو نبی علیہ السلام پر اترا۔ اس کو وحی کہتے ہیں۔ اور فراست کہتے ہیں: آثار صوری میں انوار ربانی کی مدد سے نظر ظاہر کا ڈوب کر احوال باطن کو دریافت کر لینا۔ اور اسی کو معائنہ مغیبات بھی کہتے ہیں اور اس کی اصل یہ حدیث شریف ہے کہ اتقوا فراسه المومن فانه ینظر بنور الله[1] (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کی مدد سے دیکھتا ہے)۔

---

(۱) اس حدیث کو علمائے حق' صوفیہ کرام اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ ترمذی نے اسے کتاب التفسیر میں نقل کیا ہے۔ محمد الطنجی نے المقاصد الحسنه کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث کی ساری اسناد ضعیف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسانید ضعیف ہوں۔ لیکن اس حدیث شریف کا مفہوم و معنی بے شبہ قرآن مجید کے واضح بیانات اور آں حضرت ﷺ کی دعاؤں کے مفہوم سے یک قلم ہم آہنگ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ابن خلدون: شفاء السائل [ص ۵۲]' جہاں علامہ موصوف نے اس حدیث سے پہلے آیات کریمہ اور احادیث کا ذکر کیا ہے۔

چھٹی فصل: محاضرہ و کشف اور مکاشفہ و مشاہدہ و معائنہ کے بیان میں

حضوری تو یہ ہے کہ حجابات کے پیچھے سے حق کے ساتھ حضوری قلب ہو۔ اور کشف ہے حق کے ساتھ حضوری قلب بھی ہونا اور حجابات کے پیچھے سے اسرار الٰہی کی خوشبوئیں بھی سونگھنا۔ اور کشف کی تین قسمیں ہیں۔ کشف نفس' کشف قلب اور کشف سر۔ پہلے کو یعنی کشف نفس کو علم الیقین کہتے ہیں اور دوسرے یعنی کشف قلب کو عین الیقین اور کشف سر کو حق الیقین کہتے ہیں۔ اور یہ تینوں علوم ہیں کیوں کہ یہ اپنی معلومات کے اعتبار سے علم کی تین قسمیں ہیں۔

اگر ذات ظاہری سے متعلق ہو تو وہ علم الیقین ہے۔ یا ذات باطنی سے متعلق ہو تو عین الیقین ہے اور اگر حق تعالٰی سے متعلق ہو تو حق الیقین ہے۔ اور ان سب کا بیان گزر چکا ہے۔ اور مکاشفہ ہے دلایل و براہین کے ذریعہ مکمل بیان کی صورت کے ساتھ حضوری قلب مع الحق ہونا۔

اور مشاہدہ ہے وجود حق کا بلا شک و شبہ کے مشاہدہ کرنا۔

اور معائنہ ہے اس ذات کی معرفت کی توثیق جس کے ساتھ ہزار وجود درست قرار نہیں پاتے۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے ماقبل سے کامل تر ہے۔ اس کے باوجود کہ بعض باتوں میں یہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں (لیکن) کوئی شک نہیں کہ ان الفاظ کے معنی ماورائے عقل ہیں جن کا عرفان سوائے ان لوگوں کے کسی کو نہیں ہوتا جن پر عنایات ربانی ہوں۔ کیوں کہ ان معانی کا تعلق ہے اللہ تعالٰی کی توحید سے اور اللہ تعالٰی کی توحید متعلق ہے اس کی ذات اور صفات سے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ ذات وصفات تمام عقلوں کے ادراک میں آجائیں۔

ساتویں فصل: شریعت' طریقت اور حقیقت کے بیان میں

پس شریعت عبودیت کے تمام لوازم کے ساتھ پابندی احکام کا نام ہے اور یہ بھی

کہا جاتا ہے کہ وہ سلوک الی اللہ کی معرفت ہے۔

اور حقیقت ہے ربوبیت کا مشاہدۂ قلبی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حقیقت ایک ''سر معنوی'' ہے جس کی نہ کوئی حد ہے نہ جہت۔ اور جن لوگوں نے ان دونوں کے اتحاد کے بارے میں گفتگو کی ہے تو ان کی مراد ان دو کے اتحاد سے مفہوماً نہیں بلکہ صداقتاً ہے۔ اور طریقت شریعت کے راستے پر چلنا ہے۔ یعنی وہ اعمال شرعیہ ہیں۔ اور ان کے حدود مقرر ہیں جیسے نماز کہ اس میں دو رکعات ہوتی ہیں یا تین۔ اور اس کی حیثیت و نوعیت کیا ہے مثلاً فرض ہے یا نفل' وقت معین پر ہے یا غیر معین پر۔ اور یہ تینوں (طریقت' شریعت اور حقیقت) ایک دوسرے سے مربوط و ملزوم ہیں کیوں کہ طریق الی اللہ کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ پس جو اس کا ظاہر ہے وہ شریعت اور جو اس کا باطن ہے وہ حقیقت ہے۔ پس حقیقت' شریعت و طریقت میں اسی طرح پوشیدہ ہوتی ہے جیسے مکھن دودھ میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور دودھ سے مکھن بغیر اس کو بلوئے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس ان تینوں سے مراد اس عبودیت کا قیام ہے جو عبد کی عبودیت کا مقصود و مراد ہے۔

آٹھویں فصل: سعادت اور شقاوت کے سبب کے بارے میں

محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ سعادت اور شقاوت کا سبب افعال نہیں ہوتے بلکہ ان دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ اور یہ کہ اعمال عبودیت کا شعار ہیں اور رفتار مشیت کے تابع ہیں۔ جو ان پر حاکم ہے۔ مگر اس سب کے باوجود اس پر سب محققین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال پر ثواب اور عذاب دیتا ہے۔ کیوں کہ اس نے اعمال صالح پر وعدہ اور اعمال سیئہ پر وعید فرمائی ہے۔ پس وہ اپنے وعدے کو پورا فرماتا ہے اور اپنی وعید کو سچ کر دکھاتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کی خبر سچی ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ جب اعمال کا اثر نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ پر تکیہ کرنے کا فائدہ؟ تو ہم کہیں گے کہ اعمال کا بجا لانا تعمیل حکم کی نیت

سے واجب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعملوا و کل میسر لما خلق له[1] (عمل کرو کہ سب جس مقصد سے پیدا کئے گئے ہیں اس کی توفیق ان کو بخشی گئی ہے)۔ اس کے باوجود کہ اعمال چاہے حقیقتاً موثر نہوں مگر ان کا اثر عرفاً' عادتاً اور عملاً ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تلک الجنه التی اور ثتموها بما کنتم تعملون۔[2] (یہ ہے وہ جنت جس کے وارث تم ہو بہ سبب اس کے جو عمل تم کرتے رہے تھے)۔ اور ارشاد ہے کہ وما اصابکم من مصیبه فبما کسبت ایدیکم[3] (اور جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ کرنی تھی تمہارے ہاتھوں کی) اور فرمایا کہ بل طبع الله علیها بکفرهم۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر مہر لگا دی) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم یعلم[4] (جس نے عمل کیا اپنے علم کے مطابق اسے اللہ وارث کر دیتا ہے اس علم کا جسے وہ نہیں جانتا) اور یہاں اتنا مقصود کے مطابق کافی ہے (البتہ) جو شخص اس علم میں تبحر حاصل کرنا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ ہماری اس شرح کی طرف توجہ کرے جو امام ابوالقاسم قشیری (اللہ ان پر رحمت فرمائے اور ان کے علوم سے سب کو نفع عطا فرمائے) کے رسالے کی ہم نے کی ہے۔

نویں فصل: خطرات کے بیان میں اور وہ چار ہیں

ایک وہ خیال یا خطرہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں آئے' دوسرا وہ جو فرشتے کی طرف سے ہو۔ تیسرا وہ جو نفس کی طرف سے ہو اور چوتھا وہ جو شیطان کی جانب سے ہو۔ پس پہلا خطرہ یا خیال تو تنبیہ ہے اور وہ کسی حیرت کی طرف نہیں لے جاتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو

(۱) سنن ابی داؤد (قاہرہ ۱۹۵۱ء) ۳۰۸/۴' (باب القدر) تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید

(۲) سورہ الاعراف: ۴۲

(۳) سورہ الشوریٰ: ۳۰

(۴) اس حدیث کو جو احیاء علوم الدین اور حلیتہ الاولیاء میں روایت کی گئی ہے' ابونعیم اور عراقی نے ضعیف قرار دیا ہے' دیکھئے: ابن خلدون: شفاء السائل' [ص ۲۵' حاشیہ ۱]

طاعت پر ابھارنے والا ہے۔ اور تیسرا (خطرات نفس) شہوانی مطالبہ ہوتا ہے۔ اور چوتھا یعنی خطرات شیطانی تو یہ معصیت کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور یہ سب حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی ہی جانب سے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا یعنی خطرات الاھیہ تو یہ بے واسطہ براہ راست ہوتے ہیں۔ اور باقی بالواسطہ ہوتے ہیں۔

اور پہلے کو خاطر ربانی کہا جاتا ہے اور دوسرے کو خاطر فلکی اور تیسرکو خاطر نفسانی اور چوتھے کو خاطر شیطانی اور ان آخری دو خواطر کے درمیان فرق یہ ہے کہ ان دو میں سے پہلا طلب اور اصرار و الحاح کے لیے ہوتا ہے اور دوسرا بغیراس کے کیوں کہ نفس جب شہوات میں سے کسی شے کا طالب ہوتا ہے تو اس کی طلب میں اس طرح ابھار دیتا ہے جس طرح کسی چیز کے لیے مچلنے لگتا ہے۔ چنانچہ نفس اس چیز کی طلب میں برابر اصرار و الحاح کیے جاتا ہے۔ تا آں کہ وہ اپنی مراد کو پالے۔ اور شیطان جب کسی لغزش اور گناہ کی طرف بلاتا ہے تو پھر وہ اس کو انسان کے لیے ایسا خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے مگر جب آدمی اس کو چھوڑنے کی مخالفت کرنے لگتا ہے تو وہ کسی دوسری لغزش کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور کسی معین گناہ پر جمتا نہیں کیوں کہ کسی معین گناہ کی خصوصیت سے کوئی غرض اس کی وابستہ نہیں ہوتی' اس کی غرض تو صرف اتنی ہے کہ جس طریقے سے بھی ممکن ہو' بس بہکاتا رہے۔ اور گمراہ کرتا رہے۔

ان چار خطرات میں سے پہلے دو کا حق یہ ہے کہ انہیں قبول کیا جائے اور آخری دو کو رد کیا جائے۔

اور ورع کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی پر بھی شرع کی اجازت کے بغیر اقدام نہ کرنا چاہیے۔

اور کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پہلے کو خاطر' دوسرے کو الہام' تیسرے کو ہاجس (اندیشہ و گمان) اور چوتھے کو وسواس کہا جاتا ہے۔ بعض محققین نے ان چاروں خواطر پر دو کا مزید اضافہ کیا ہے۔ خاطر عقل اور خاطر یقین۔ پس خاطر عقل ان چاروں کے وسط میں ہے اور

کبھی یہ آخری دو کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور بندے پر یہ حجت قائم کرتا ہے کہ یہ دونوں اگر ناپید ہو جائیں تو یقیناً سزا ساقط ہو جائے۔ اور کبھی پہلے کے دو کے ساتھ ہو کر یہ ثابت کرتا ہے کہ بندہ اپنے فعل کا مختار ہے' لہٰذا ثواب کا مستحق ٹھیرے گا اور خواطر یقین' ایمان کی روح ہے اور علم کو بڑھانے والا ہے۔

دسویں فصل: بیعت لینے' خرقہ پہنانے اور ذکر کی تلقین کے بارے میں

جب شیخ مرید سے بیعت لینے کا ارادہ کرے تو خود پاک ہو اور اس کو ہر برائی اور ناپاکی سے پاک ہونے کا حکم دے۔ تاکہ طریقت کے شرائط میں سے جو کچھ اسے تلقین کیا جائے' وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرے کہ دونوں کو قبول فرمائے۔ اور پھر اس معاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے کیوں کہ وہی واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان۔ اور وہ اپنا سیدھا ہاتھ مرید کے سیدھے ہاتھ پر رکھے' اس طرح کہ اپنی ہتھیلی اس کی ہتھیلی پر اور اس کا انگوٹھا اپنی انگلیوں سے پکڑے اور کہے:

اعوذ بالله من الشیطان الرجیم' بسم الله الرحمٰن الرحیم' الحمد لله رب العالمین' استغفر الله العظیم الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه وصلی الله علی سیدنا محمد و آله و صحبه وسلم اور مرید اس کو اس کے ساتھ ساتھ دہراتا جائے۔ اس کے بعد کہے:

اللهم انی اشهدک واشهد ملائکتک و انبیائک ورسلک و اولیائک انی قد قبلته ولدا فی الله فاقبله واقبل علیه وکن له ولا تکن علیه ثبته وایده (اے اللہ پاک! میں گواہ کرتا ہوں تجھے اور تیرے ملائکہ کو' تیرے انبیاء کو' تیرے رسولوں کو اور تیرے اولیاء کو کہ میں نے اس کو اللہ کی راہ میں اپنا بیٹا قبول کیا پس تو بھی اسے

قبول فرمانا اور اس پر توجہ فرمانا اور اس کا (ناصر) ہو جا اور اس کو اپنی توجہ سے محروم نہ فرما' اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کی مدد فرما۔)

پھر کہے کہ "اے بیٹا! میں اس پر عہد لیتا ہوں تجھے کہ تو کبھی گناہ کبیرہ کے قریب نہ پھٹکے گا۔ اور گناہ صغیرہ پر کبھی اصرار نہ کرے گا۔ اور یہ کہ تو اللہ کی کتاب پر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے گا۔ اور یہ کہ تو شریعت اور حقیقت کو ملا کر رکھے گا۔ اس پر مرید کہے کہ میں نے قبول کیا۔ پھر شیخ دونوں کے واسطے دعا کرے اور تمام مسلمانوں کے حق میں دعا کرے۔ اور اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے اللہ پاک! ہماری اصلاح فرما اور ہمارے ذریعے اصلاح کو عام فرما۔ ہماری ہدایت فرما اور ہمارے ذریعہ ہدایت کو جاری فرما۔ اے اللہ پاک! ہمیں حق کو حق کے طور پر دکھا اور ہمیں اس کے اتباع کی توفیق دے۔ ہمیں باطل کو باطل کر دکھا اور ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ پاک! جو ہمیں تجھ سے کاٹنے والا ہو' اس کو ہم سے کاٹ کر الگ کر دے۔ ہمیں اپنے آپ سے نہ کاٹ۔ اور ہمیں اپنے غیر میں مشغول ہو کر اپنے سے دور مت ہونے دے۔ اور پھر کہے کہ: الله علی مانقول وکیل' يد الله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث على نفسه و من او فى بماعاهد عليه الله فسيوتيه اجر عظيما۔[1] (اور جو کچھ میں نے کہا اللہ اس کا وکیل ہے۔ اللہ کا ہاتھ ان ہاتھوں کے اوپر ہے۔ پس جس نے عہد کرنے کے بعد عہد کو توڑا' اس نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے اپنے عہد کو پورا کیا تو اللہ پر ہے کہ وہ اس کو اجر عظیم عطا کرے)۔

اور جب ارادہ کرے مرید کو خرقہ پہنانے کا تو پہلے خود پاک ہو پھر مرید کو پاک ہونے کا حکم دے' جیسے اوپر گزرا۔ پھر دونوں ہاتھوں پر خرقہ رکھا جائے۔ اور اس پر فاتحہ پڑھی جائے اور شیخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی نیت کر کے اپنے ہاتھوں سے مرید کو خرقہ پہنائے۔ اس کے بعد مرید کے سامنے خرقے کی نسبت بیان کرے اور یوں کہے کہ

(۱) سورہ الفتح: ۱۰

مجھے میرے شیخ فلاں نے اپنے ہاتھوں سے خرقہ پہنایا اور ان کو ان کے شیخ فلاں نے اور اس طرح آخیر تک (تمام نام لے کر بیان کرے) اور پھر یہ کہے کہ اب میں نے تم کو یہ خرقہ پہنایا۔ جس طرح میرے شیخ نے مجھے پہنایا تھا۔ اسی طرح باقی کو قیاس کر لو۔ بخلاف توبہ اور تلقین کے۔ کیوں کہ ان دونوں کی نسبت بھی ان سے پہلے بیان کی جائے گی کہ یہ بھی اخذ عہد ہے۔

اور جب اس کو تلقین کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے خود پاک ہو اور پھر اس کو پاک ہونے کا حکم دے۔ جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ اور "نسبت" کا بیان کرے۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لے۔ اور مرید کو بھی آنکھیں بند کر لینے کا حکم دے۔ پھر اسے تین بار لا الہ الہ اللہ کی تلقین کرے اور مرید بھی اسی کی طرح تین بار دھرائے۔ پھر اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد اور معوذتین (الفلق اور الناس) پڑھے اور جتنی بار چاہے اللہ کی تہلیل کرے (لا الہ الا اللہ) اور پھر شیخ ہدیہ کرے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سائر انبیاء اور تمام صالحین اور جملہ مسلمین کی ارواح کو۔

اس کتاب کا مولف کہتا ہے (اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت و مغفرت سے ڈھانپ لے اور اس کو جنت میں فراخی کی زندگی کے ساتھ سکونت عطا فرمائے) کہ فتوحات الاھیہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور امداد سے اتمام کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مولف کو اس کے کاتب کو' اس کے قاری کو اور تمام دیکھنے والوں کو اور جملہ مسلمین کو اس سے نفع عطا فرمائے۔ آمین!

برحمتک یا ارحم الرحمین!

تصنیف تمام شد

۱۴۱۵ھ

☆☆☆